مولوی صاحب کوئی آسان کام نہ تھا۔
دیوبند کے ۱۳۴۵ھ والے واقعہ میں مفتی صاحب اپنے استاذ قدس سرہٗ کے جانبدار تھے اور جب یہ علمی قافلہ دیوبند سے بجانب ڈابھیل روانہ ہوا تو آپ بھی اس کے ایک رکن تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں افتاء کے شعبہ کو سنبھالنے کے ساتھ حدیث و تفسیر و فقہ کی اہم کتابوں کے اسباق آپ سے متعلق رہے۔ کلکتہ میں تفسیر قرآن بیان کی جس کا حلقہ عام و خاص پر پھیلا ہوا تھا۔ ندوۃ المصنفین کے بعد اگرچہ ان کی تمام تر مصروفیات انتظامی تھیں لیکن اس کے باوجود علمی ذوق جو پختہ ہو چکا تھا بدستور قائم رہا۔ علامہ انور شاہ کشمیری سمینار میں اپنے استاذ پر جو ارتجالاً مقالہ لکھا وہ تمام مقالات میں بیت الغزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ شعر و شاعری سے مناسبت ان کا خاندانی ورثہ تھا، چوں کہ شعر شناس خوب تھے اس لیے پرمعنی شعر کو سن کر اچھل جاتے۔ خاص عادت یہ تھی کہ جو شعر پسند آتا اسے فوراً لکھ لیتے۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہوا کہ ہوائی سفر کے مرحلوں میں جو پابندیاں موجودہ حکومت نے عائد کیں اور ہتھیار وغیرہ کی تلاشی کے لیے جو خصوصی تجسس ہوتا جاتا ہے، میں نے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر مرحوم کے سامنے پڑھا ؎

زنہار کوئی چابی کمربند میں نہ باندھے
کہ لوہے سے بہت ڈرتی ہے سرکار ہماری

مفتی صاحب پھڑک اٹھے اور فرمایا کہ بھائی اُسے لکھوادو۔ تحریر بڑی شگفتہ تھی لیکن اس میں بھی طنز کا پہلو غالب رہتا، ایک مرتبہ بُرہان کا اداریہ لکھا تو دارالعلوم کے قدیم وجدید دور کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ،

دارالعلوم کے قدیم دور میں دورہ حدیث میں آج کی طرح

پلٹنیں نہ ہوتی تھیں بلکہ گنے چنے طلبا ہوتے لیکن کوئی
علامہ کشمیری بن کر نکلتا تو کوئی علامہ عثمانی۔

پلٹنوں کے لفظ کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ عام مجالس میں کبھی علمی موضوعات اگر چھڑ جاتے تو مفتی صاحب کو اپنے دماغ کے خزانے سے پرانے اور مستند معلومات نکالنے میں دشواری نہ ہوتی۔ ان کے زیر نگرانی ندوۃ المصنفین کی مطبوعات علمی شاہکار ہیں جنھوں نے ملک و غیر ممالک کے علمی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔

علالت کا دور شروع ہوا تو بار بار عیادت کے لیے حاضری ہوئی، اب مفتی صاحب اپنا ضبط کھو چکے تھے۔ دار العلوم کے حالات سنتے تو بے اختیار آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے بندھ جاتی۔ میں بمبئی سے واپس ہو رہا تھا ئی دلی اسٹیشن پر اتر کر سیدھا ان کے رہائشی مکان پر پہنچا ناسوتی زندگی میں مفتی صاحبؒ سے یہ آخری ملاقات تھی پھر انھیں دیکھنا نصیب نہ ہو سکا۔

یہ ہیچ پوش تحریر بزم عتیق میں شرکت کی ایک کوشش ہے۔ ورنہ ایک آدھ مقالہ مفتی صاحب مرحوم کے عظیم کارناموں کو کبھی نہیں سمیٹ سکتا، آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ ندوۃ المصنفین میں اپنی کرسی پر تشریف فرما ہیں، عینک ان کے ہاتھوں میں ہے اور اپنے خصوصی لہجہ میں فرما رہے ہیں۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم